۷۸۶

ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خاں سائل

(از جناب مولوی حفیظ الرحمٰن صاحب واصف دہلی)

تازہ خواہی داشتن گر داغہائے سینہ را گاہے گاہے باز خواں ایں قصۂ پارینہ را

تمہید۔ آج کل اُردو زبان کو بگاڑ کر ایک نئی زبان بنانے کی اور اس کے لئے ہندی رسم الخط رائج کرنے کی زبردست کوشش کی جارہی ہے اتنی زبردست کوشش ملک کو آزاد کرانے کے لئے کی جاتی تو غالباً نصف صدی قبل ہی ملک آزاد ہوچکا ہوتا۔ کاش کہ اب ملک کے آزاد ہوجانے کے بعد ہندستانی قوم اس کی تعمیر و ترقی کی طرف اپنی تمام قوتیں متوجہ کرتی اور ایک صدی کی برطانوی تخریب کا علاج کرتی! مگر افسوس ایک ہزار برس میں ہندوستان کے تمام فرقوں کے اشتراکِ عمل سے جو تمدن بنا تھا اس کو آج بیگانہ سمجھا جارہا ہے اور مسلمانوں سے مطالبہ کیا جارہا ہے کہ ہندوستان میں رہنا ہے تو اپنا تمدن (یا کلچر) چھوڑنا پڑیگا۔ یہ صرف مطالبہ ہی نہیں بلکہ اس کے لئے سخت جد وجہد کی جارہی ہے مگر یہ بالکل بے دلیل اور بے سوچی سمجھی بات ہے غالباً ان لوگوں نے اس حقیقت کو نہیں دیکھا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا اپنا کوئی خاص تمدن نہیں ہے ان کا تمدن وہی ہے جو ہندوستان کے تمام باشندوں کا ہے غیر ملکی تمدن کو انھوں نے اسی وقت خیرباد کہدیا تھا جب انھوں نے ہندوستان کو اپنا وطن بنالیا تھا وہ ہندوستان کی دولت اور پیداوار کو کسی دوسرے ملک کا پیٹ بھرنے کے لئے

نہیں لے گئے۔ نہ کسی دوسرے ملک کو اس بات کی اجازت دی کہ وہ اپنا الو سیدھا کرنے کے لئے ہندوستان کو آلۂ کار بنائے تمام فرقوں کے اشتراک سے ایک تمدن کی بنیاد پڑ گئی حتیٰ کہ اس کے لئے بعض شوریدہ سروں نے مذہب کی وحدت کو بھی ضروری سمجھا اور اکبر بادشاہ کے عہد میں یہ کوشش کی گئی کہ ہندوستان میں ایک ایسی عظیم الشان قومی وحدت قائم کی جائے۔ جس میں کسی قسم کی تفریق و امتیاز کا شائبہ نہ رہے، لیکن یہ نظریہ ناکام رہا اور چھوت چھات کی صورت میں اس کا عظیم ردعمل ہوا۔ اس کے باوجود تمدن کا اشتراک رہا اور آج تک ہے۔ اب اگر کسی نئے تمدن کی طرف دعوت دی جا رہی ہے تو صرف مسلمانوں کو نہیں بلکہ تمام ہندوستانیوں کو اپنا تمدن چھوڑ کر نیا تمدن اختیار کرنے کی دعوت دینی چاہیئے مگر ان مدعیوں نے اب تک اس نئے تمدن کی صراحت نہیں فرمائی ہے اس سے ابھی ہمیں اس بات کا انتظار ہے کہ وہ نیا تمدن کیا ہوگا یہ ایک لسانی کلیہ ہے کہ نئی زبان ہمیشہ مختلف قوموں کے اشتراک اور اختلاط سے بنتی ہے۔ قانون سے نہ کوئی زبان بن سکتی اور رائج ہو سکتی ہے اور نہ مٹائی جا سکتی ہے ہندوستان میں مسلمانوں کے ایک ہزار برس کے عہد حکومت میں سرکاری زبان فارسی وغیرہ رہی اور انگریزوں کے دو سو برس کے زمانۂ عروج میں انگریزی کا عروج رہا لیکن نہ فارسی ہندوستان کی ملکی زبان بن سکی نہ انگریزی بلکہ ایک بین الاقوامی زبان خود بخود بن گئی اور یہ زبان سب سے بڑی دلیل ہے اس بات کی کہ ہندوستان کے ہندو مسلمانوں کا تمدن جدا جدا نہیں ہے۔ پھر سمجھ میں نہیں آتا کہ اب آزادی ملنے کے بعد بعض لیڈر کون سے تمدن کی طرف مسلمانوں کو لانا چاہتے ہیں انگریزوں کے دو سو برس کے عروج کے زمانہ میں باوجودیکہ ہندوستان میں بھی انگریزی زبان کا عروج رہا اور آج تمام

دنیا کی بین الاقوامی زبان بھی انگریزی بن گئی ہے مگر ہندوستان کی مشترک زبان جو تھی رہی رہی اور آج تک ہندوستانی ادب میں انگریزی کے چند الفاظ بھی راہ نہ پا سکے۔ اگر قانون کی طاقت اور حکومت کے جاہ و جلال سے کوئی زبان بن جایا کرتی تو انگریزوں کے عہد میں ہندوستانی ادب میں انگریزی بھی داخل ہو جاتی اور ضرور کوئی نئی زبان بن جاتی۔ مگر نئی زبان کیوں کر بنتی انگریزوں نے ہندوستان کو نہ اپنا وطن سمجھا نہ اپنے ملکی تمدن کو چھوڑا نہ اپنے ذہن سے اپنے ملکی وطنی رجحانات کو محو ہونے دیا ان کا تمدن تہذیب، زبان اور رنگ روپ بالکل اجنبی اور بیگانہ ہی رہا۔ کسی ملک کی وحدت کو قایم رکھنے کے لئے اور افراد کی قوت کو ملک کی تعمیر میں لگانے کے لئے نہایت ضروری ہے کہ آپس میں ادائے مطالب کے لئے ایک ہی زبان ہو ایسا نہ ہوا تو ملک کی ترقی صدیوں پیچھے جا پڑے گی جو لوگ ایک نئی زبان گڑھنے کی فکر میں سرگرداں ہیں کیا اچھا ہوتا کہ اتنا وقت وہ دوسرے تعمیری کاموں میں صرف کرتے صنعت و حرفت اور تجارت بین الاقوامی تعلقات کے بغیر ترقی نہیں کر سکتی۔ اب ہم کو متحد ہو کر دنیا کی سائنسی دوڑ میں شامل ہونا چاہیے اگر ملک کی اکثریت زبان اور چھوت چھات کے الجھیڑوں میں پھنسی رہی اور یوں ہی اپنا وقت ضائع کرتی رہی تو جب تک ہم نیا تمدن بنا کر اور نئی زبان سکھا کر فارغ ہوں گے دنیا کہیں سے کہیں پہنچ چکی ہوگی ملک کے سامنے زبان سے زیادہ بہت سے اہم مسائل ہیں ہم کو ان کی طرف متوجہ ہونا چاہیے اور جو زبان پہلے سے بولی اور سمجھی جاتی ہے اُسی سے کام لینا چاہیے۔

کوئی زبان نہ خود بنتی ہے نہ فنا ہوتی ہے اس لیے یہ بالکل واضح حقیقت ہے کہ ملک کے بعض لیڈروں کا جو قیمتی وقت اردو کے خلاف محاذ بنانے میں صرف ہوتا ہے

وہ بالکل رائیگاں ہے ہونا یہ چاہئے تھا کہ آزادی کے بعد کے یہ بے بہا لمحات ملک کے دفاع اقتصاد اور امن و اتحاد پر صرف کئے جاتے۔ مگر افسوس کہ اس وقت اردو کی کچھ اس انداز سے مخالفت کی جا رہی ہے کہ گویا مسلمان بادشاہوں نے اس زبان کو ہندو ستانیوں کے منہ میں زبردستی ٹھونس دیا تھا اس کو اب اگل دینا چاہئے۔ حالانکہ اسلامی حکومت کے انحطاط کے وقت سے اردو نے ترقی شروع کی اور زوال کے بعد وہ ایک ترقی یافتہ عالمگیر زبان بنی۔ یہی تو کبیر داس اور امیر خسرو کی زبان ہے جو نکھر نکھر کر داغ کے زمانے میں اردوئے معلی کہلائی اور پنڈت رتن ناتھ سرشار منشی پریم چند کی زبان بنی۔

انڈین نیشنل کانگریس جو ہندوستان کے تمام عناصر کی واحد نمائندہ جماعت ہے جب اس نے یہ محسوس کیا کہ اکثریت کے انتہا پسند طبقہ میں لفظ اردو سے نفرت کی جانے لگی ہے اور کچھ ایسا سمجھا جانے لگا ہے کہ گویا یہ مسلمانوں کی مذہبی زبان ہے اور فرقہ پسند افراد اس لفظ سے چڑھنے لگے ہیں تو اس نے اس لفظ کو ترک کر دیا اور ہندوستانی کی مشترک زبان کو ہندوستانی کا لقب دیا۔ اس حقیقت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ ہندوستانی زبان کے سوا کسی زبان میں یہ اہلیت نہیں ہے کہ وہ تمام ہندوستان کی مشترک زبان بن کر قومی و ملکی وحدت کو باقی رکھ سکے۔

ہندستانی زبان کی ادبی حیثیت آج تک وہی ہے جو داغ نے قائم کی تھی۔ جس نہج پر داغ نے زبان کو نکھارا اور لغات و تراکیب کو مرتب کیا تھا اس سے بہتر تبدیلی اب تک نہیں ہوئی۔ اس لحاظ سے زبان کے اس آخری دور کا مورث اعلیٰ صرف داغ مرحوم کو کہا جا سکتا ہے داغ مرحوم اور ان کے تلامذہ دور حاضر کی عالمگیر اور صالح زبان کے معمار ہیں۔ بڑی بدنصیبی ہوگی اگر ہندوستانی قوم ان حضرات کے حالات سے

ناواقف رہے جنھوں نے ہندستانی ادب کو نکھار کر ایک بین الاقوامی زبان بننے کے قابل بنایا۔

ستمبر ۱۹۴۷ء (شوال ۱۳۶۶ھ) میں ہندستان اور خاصکر دلی اور پنجاب میں جو خونین انقلاب آیا اس کے نتیجے میں دلی پر صرف پنجاب ہی نہیں بلکہ تمام مغربی اضلاع کی تہذیب چھا گئی۔ اور اب دہلی بڑا ہی عجیب و غریب شہر نظر آنے لگا۔ کثرت آبادی کی وجہ سے نہایت آباد لیکن دیدۂ عبرت کے لئے یکسر ویران جن لوگوں کے دم سے دہلی کی بچی کھچی روایات باقی تھیں سب منتشر ہو گئے یا تہ تیغ ہوئے۔ شاندار عمارتیں، درسگاہیں اور علوم و فنون کے بے بہا ذخیرے نذر آتش ہوئے۔ اس آٹھویں بربادی کے بعد زبان کے لحاظ سے دلی کی مرکزیت ختم ہوئی۔ اور ممکن ہے کہ دنیا کچھ عرصے کے بعد زبان کے ان اولوالعزم معماروں کو بھول جائے جن بزرگوں نے ہندستانی ادب کی خدمت کے لئے اپنی عمر کے بہترین لمحات صرف کئے۔

ان میں سے ایک درخشندہ ستارا حضرت ابوالمعظم نواب سراج الدین احمد خاں سائل دہلوی کی ذات گرامی تھی جو خاندان لوہارو کے ایک ممتاز فرد اور دہلی کی قدیم تہذیب کے ایک مکمل نمونہ تھے اور جہاں استاد داغ مرحوم کے عزیز ترین شاگرد اور بھتیجے اور داماد تھے۔ داغ مرحوم کے دہلی کے شاگردوں میں سے تین دلی والے مشہور ہیں ایک سائل مرحوم دوسرے حضرت سید وحید الدین بیخود دہلوی مدظلہ تیسرے پنڈت تربھون ناتھ زتشی المتخلص بہ زار دہلوی مدظلہ موخرالذکر ہر دو حضرات الحمدللہ حیات ہیں۔

(متعنا اللہ بطول حیاتہما)

ضروری ہے کہ دلی کے اس آخری دور کے تمام مشاہیر ادب کے حالات

قلمبند کیے جائیں۔ فی الحال اس سلسلے کو میں اپنے اُستاد جناب سائلؔ مرحوم سے شروع کرتا ہوں اگر حالات سازگار رہے تو ممکن ہے کہ دیگر حضرات کے حالات قلمبند کرنے کا موقع مل جائے۔

افسانۂ یاران کہن خواندم و رفتم دریاب! کہ لعل و گہر افشاندم و رفتم

سائل صاحب کے خاندانی حالات | مغل بادشاہ عزیزالدین عالمگیر ثانی (المتوفی ۱۷۵۹ء) کے عہد میں[1] تین تورانی بھائی سمرقند سے ہندستان میں وارد ہوئے۔ قاسم جان۔ عارف جان عالم جان (یہی عارف جان ہمارے سائل مرحوم کے دادا کے دادا ہیں)

قاسم جان | قاسم جان کو نواب معین الملک ناظم پنجاب (عرف میر منو خلف نواب قمرالدین خاں وزیر محمد شاہ بادشاہ[2]) نے سندھ کی جاگیر دی۔ اور نظیر بیگ خاں ہزارہ کی صاحبزادی سے شادی کر دی۔ عارف جان کی شادی اٹک کے ناظم مرزا محمد بیگ کی صاحبزادی سے ہوئی[3]۔ تینوں بھائی میر منو کی رفاقت میں سکھوں کے مقابلے میں اپنی شجاعت اور سپہ سالاری کے جوہر دکھاتے رہے۔ نواب معین الملک کے انتقال کے بعد قاسم جان پانچ سو تورانی سوار[4] لے کر بہار پہنچے اور شہزادہ عالی گہر (شاہ عالم ثانی) کی معیت میں میرن بن میر جعفر کو شکست دی (جو لارڈ کلائیو کی معیت میں شہزادہ سے نبرد آزما تھا) شہزادہ نے ان کو شرف الدولہ سہراب جنگ کا خطاب اور ہفت ہزاری منصب دیکر اپنے رفقا میں داخل کر لیا۔ جب شہزادہ وہاں سے واپس ہوا تو یہ تینوں بھائی دہلی آ گئے اور یہیں سکونت اختیار کر لی۔ دہلی میں گلی قاسم جان انھیں کے نام سے مشہور ہے اس محلے میں قاسم جان نے حویلی بنوائی تھی جو احاطہ کالے صاحب کہلاتی ہے اور اسی کے قریب ایک مسجد ۱۱۹۳ھ میں بنوائی تھی جو اب نواب احمد سعید خاں

[1] واقعات دارالحکومت دہلی جلد دوم صفحہ ۴۴ و جلوۂ داغ صفحہ ۹ [2] آبحیات آزاد صفحہ ۴۱۳ [3] تاریخ رؤسائے پنجاب صفحہ ۱۱ [4] غالب از مہر۔

کی مسجد کہلاتی ہے[1] حاجی شیخ نصیر الدین عرف میاں کالے صاحب (جو بہادر شاہ کے پیر تھے اور ایک مقدس بزرگ تھے) یہ حویلی حاجی بیگم زوجۂ نواب ضیاء الدین احمد خاں نے ان کو نذر کر دی تھی اس لئے اب انھیں کے نام سے منسوب ہے[2]۔

اس کے بعد عالمگیر ثانی کا قتل شہزادہ عالی گہر کی تخت نشینی - وغیرہ معاملات میں ذوالفقار الدولہ نواب نجف خاں سپہ سالار کے لئے قوت بازو رہے اور معاملات سلطنت میں دخیل رہے۔ نواب عارف جان دیہات جاگیر وغیرہ کا انتظام کرتے تھے نجف خاں کے انتقال اور دہلی پر غلام قادر روہیلے کے تسلط کے بعد قاسم جان بعہد آصف الدولہ لکھنؤ چلے گئے تھے۔ نواب قاسم جان اور نواب عارف جان دونوں بھائی حضرت خواجہ قطب الدین بختیار کاکی کی درگاہ میں سماع خانے کے صحن میں مدفون ہیں[3]۔

نواب قاسم جان (شرف الدولہ سہراب جنگ) کے تین لڑکے تھے فیض اللہ بیگ خاں قدرت اللہ بیگ خاں فیروز - محمد بخش خاں - قدرت اللہ بیگ خاں کی صاحبزادی حاجی بیگم نواب ضیاء الدین احمد خاں نیر رخشاں کو منسوب تھیں۔ فیض اللہ بیگ خاں کے دو فرزند تھے نواب غلام حسین خاں مسرور جن کی شادی بنیادی بیگم بنت نواب الٰہی بخش خاں معروف کے ساتھ ہوئی تھی مسرور صاحب مرزا غالب کے ہم زلف ہوتے کیونکہ نواب معروف کی دوسری صاحبزادی امراؤ بیگم مرزا غالب کو منسوب تھیں۔ مرزا غالب نے جس لڑکے کو متبنیٰ کیا تھا وہ انھیں نواب غلام حسین خاں مسرور کے صاحبزادے زین العابدین خاں عارف تھے مرزا صاحب نے ان کو بیٹے کی طرح پرورش کیا اور جب جمادی الثانی ۱۲۶۹ھ م اپریل ۱۸۵۳ء میں ان کا انتقال ہو گیا تو مرزا غالب نے نہایت پر درد مرثیہ لکھا جو دیوان غالب

---

[1] واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم صفحہ ۳۳۳ [2] ایضاً صفحہ ۲۰۱ [3] واقعات ایضاً صفحہ ۲۶۹

میں موجود ہے۔ عارف کے انتقال کے بعد ان کے دونوں لڑکوں باقر علی خاں کامل اور حسین علی خاں کی نگہ داشت بھی مرزا غالب کے ذمہ رہی عارف کی شادی نواب ضیاء الدین احمد نیر رخشاں کی بہن نواب بیگم سے ہوئی تھی ان کے دو ہی لڑکے تھے باقر علی خاں کامل اور حسین علی خاں شاداں باقر علی خاں کامل کی شادی نواب ضیاء الدین احمد خاں کی صاحبزادی معظم زمانی بیگم (عرف بگا بیگم) کے ساتھ ہوئی ان کی صرف تین لڑکیاں تھیں۔ محمد سلطان بیگم (عرف جندو بیگم) فاطمہ سلطان بیگم (عرف بندو بیگم) رقیہ سلطان بیگم (عرف مجھن بیگم) جندو بیگم مرزا شجاع الدین احمد خاں تاباں کو منسوب تھیں بندو بیگم مرزا بشیر الدین بن نواب علاء الدین والی لوہارو کو منسوب تھیں۔ مجھن بیگم ڈاکٹر ذوالنورین علی احمد آسامی عرف کرنل زید احمد کو منسوب ہوئیں۔

عارف کے دوسرے صاحبزادے حسین علی خاں شاداں کی شادی حسن جہاں بیگم (بنت مرزا اکبر علی خاں بن بخی بخش خاں بن عارف جان) کے ساتھ ہوئی تھی

(مکاتیب غالب از عرشی صفحہ ۹۵ و ۹۶)

عارف جان | عارف جان کے چار بیٹے تھے الٰہی بخش خاں۔ احمد بخش خاں۔ بخی بخش خاں محمد علی خاں اور ایک لڑکی تھی جو مرزا غالب کے چچا مرزا نصر اللہ بیگ کو منسوب تھی۔

نواب الٰہی بخش خاں معروف | ایک عالی خاندان امیر تھے علوم ضروری سے باخبر تھے اور شاعری کے کہنہ مشاق مگر اس فن سے ایسا عشق رکھتے تھے کہ فانی الشعر کا مرتبہ اسی کو کہتے ہیں ابتدا میں شاہ نصیر مرحوم سے اصلاح لی اور سید علی خاں گمگین وغیرہ سے استفادہ کیا آخر عمر میں ترک دنیا کر کے گوشہ نشین ہو گئے تھے[1]۔ نواب الٰہی بخش خاں حضرت مولانا فخر الدین فخر عالم کے مرید تھے۔ آپ کا سلسلہ بیعت خواجہ کلیم اللہ جہاں آبادی سے ملتا ہے

[1] آب حیات آزاد صفحہ ۴۴۲

از یادداشت مخطوطہ مرزا بشیر الدین احمد خان (بشکریہ نواب خسرو مرزا)

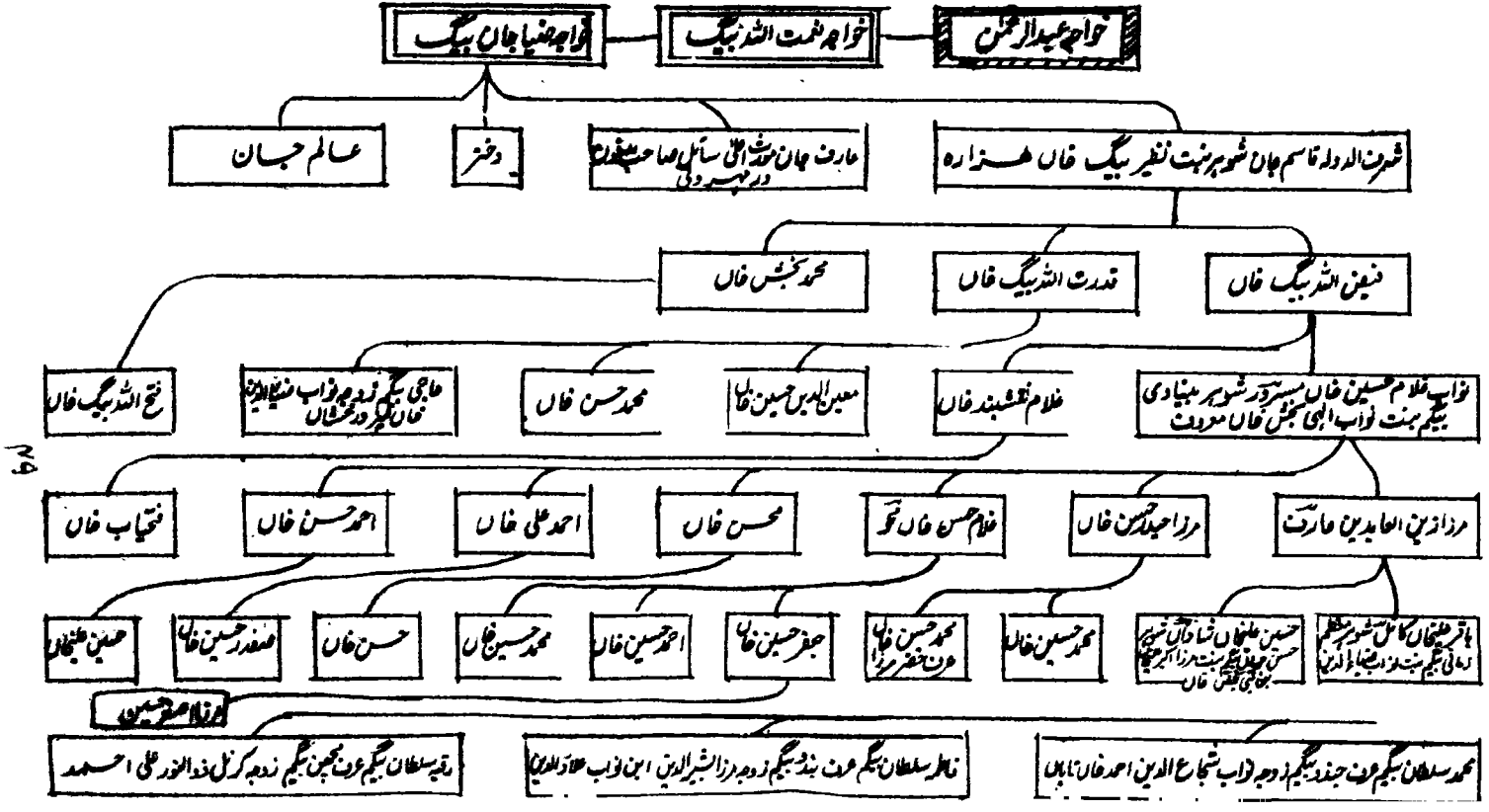

شیخ نصیر الدین عرف میاں کالے صاحب۔ مولانا فخر عالمؒ کے پوتے اور مولانا قطب الدین کے صاحبزادے تھے[1]۔

نواب معروف نہایت متقی اور صاحبِ دل انسان تھے سیر چشمی اور سخاوت ان کی ضرب المثل تھی ان کے دو لڑکے اور دو لڑکیاں تھیں۔ مرزا علی بخش خاں رنجور، مرزا علی نواز خاں بنیادی بیگم، امراؤ بیگم مرزا علی بخش خاں رنجور کے صاحبزادے غلام فخر الدین خاں کی شادی مرزا غالب کی بھتیجی عزیز النساء بیگم بنت مرزا یوسف خاں کے ساتھ ہوئی ان کے صاحبزادے مرزا محمد سعید خاں اور اُن کے صاحبزادے مرزا نصر اللہ خاں ہیں جو آج کل سرکار نظام میں صدر محاسب کے عہدہ پر فائز ہیں۔

مرزا علی نواز خاں کا حال معلوم نہ ہو سکا بنیادی بیگم نواب غلام حسین خاں مسرور بن فیض اللہ بیگ خاں بن شرف الدولہ قاسم جان کو منسوب تھیں اور امراؤ بیگم مرزا غالب کو منسوب تھیں۔

نواب احمد بخش خاں اپنے بزرگ بھائی پر جان چھڑکتے تھے۔ ان پر بیدریغ روپیہ خرچ کرتے تھے۔ اور ان سے صرف دعا کی التجا رکھتے تھے۔ نواب الٰہی بخش خاں معروف کی سخاوت، سیر چشمی اور مہمان نوازی، ذوق شعر و سخن اور اپنے بھائیوں سے محبت و الفت وغیرہ دلچسپ واقعات تفصیل کے ساتھ مولانا آزاد نے آبحیات میں لکھے ہیں ملاحظہ فرما سکتے ہیں۔

نبی بخش خاں کے ایک صاحبزادے مرزا اکبر علی خاں ہمیں معلوم ہو سکے ہیں انھوں نے خورشید بیگم (بنت جنرل اختر لونی) سے شادی کی تھی۔ ان کی صاحبزادی حسن جہاں بیگم مرزا حسین علی خاں شاداں (بن زین العابدین خاں عارف) کو منسوب ہوئیں۔

(مکاتیب غالب از امتیاز علی عرشی صفحہ ۹۵ و ۹۶)

---

[1] غالب از مہر صفحہ ۳۳

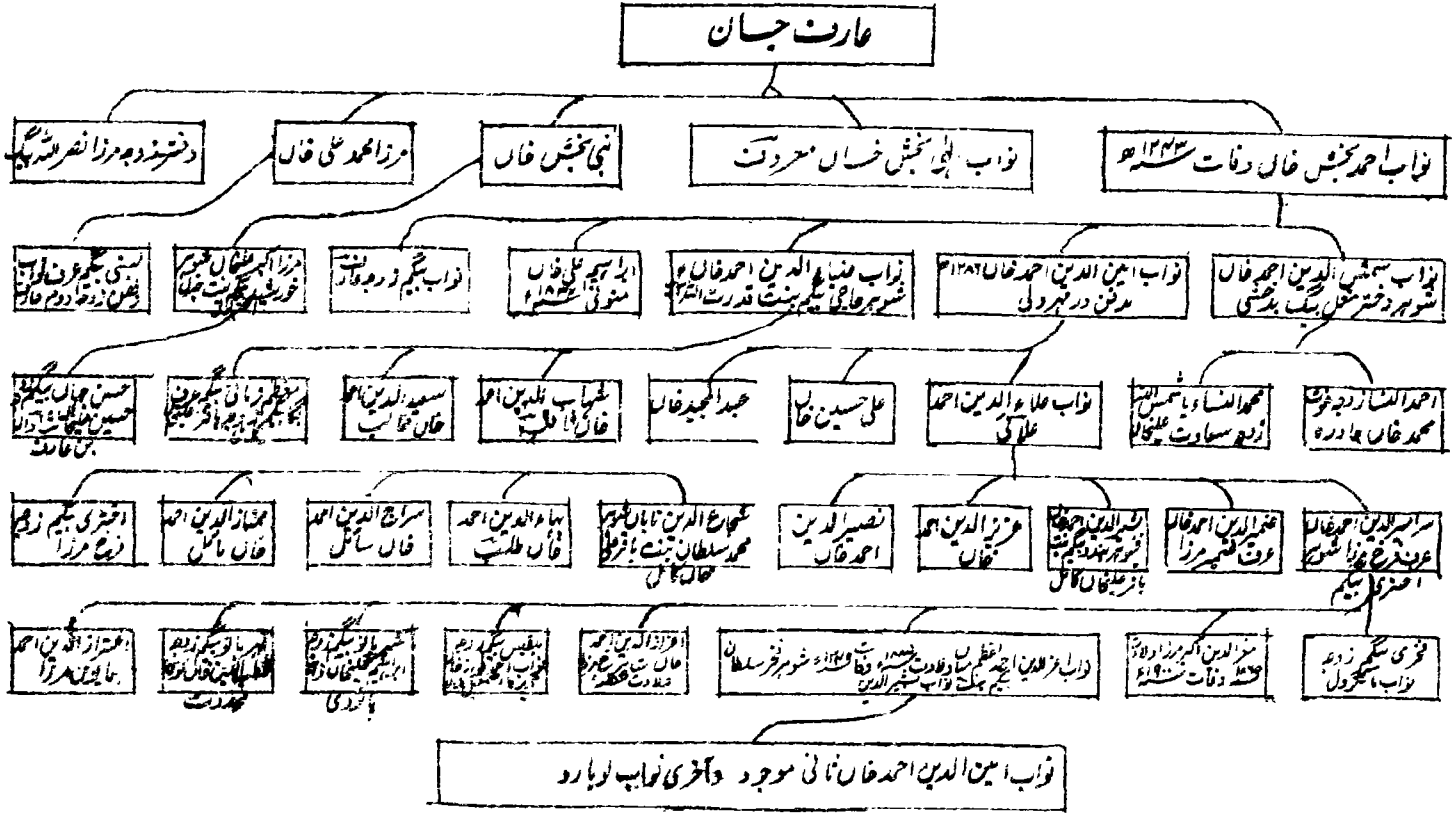

عارف جان
نواب احمد بخش خاں وفات
نواب الٰہی بخش خاں معروف
نبی بخش خاں
مرزا محمد علی خاں
نواب شمس الدین احمد خاں شوہر دختر مغل بیگ بدخشی
نواب امین الدین احمد خاں مدفن در مہرولی
نواب ضیاء الدین احمد خاں
علی حسین خاں
عبد المجید خاں
نواب علاء الدین احمد خاں علائی
نصیر الدین احمد خاں
سراج الدین احمد خاں سائل
ممتاز الدین احمد خاں مائل
نواب امین الدین احمد خاں ثانی موجود و آخری نواب لوہارو

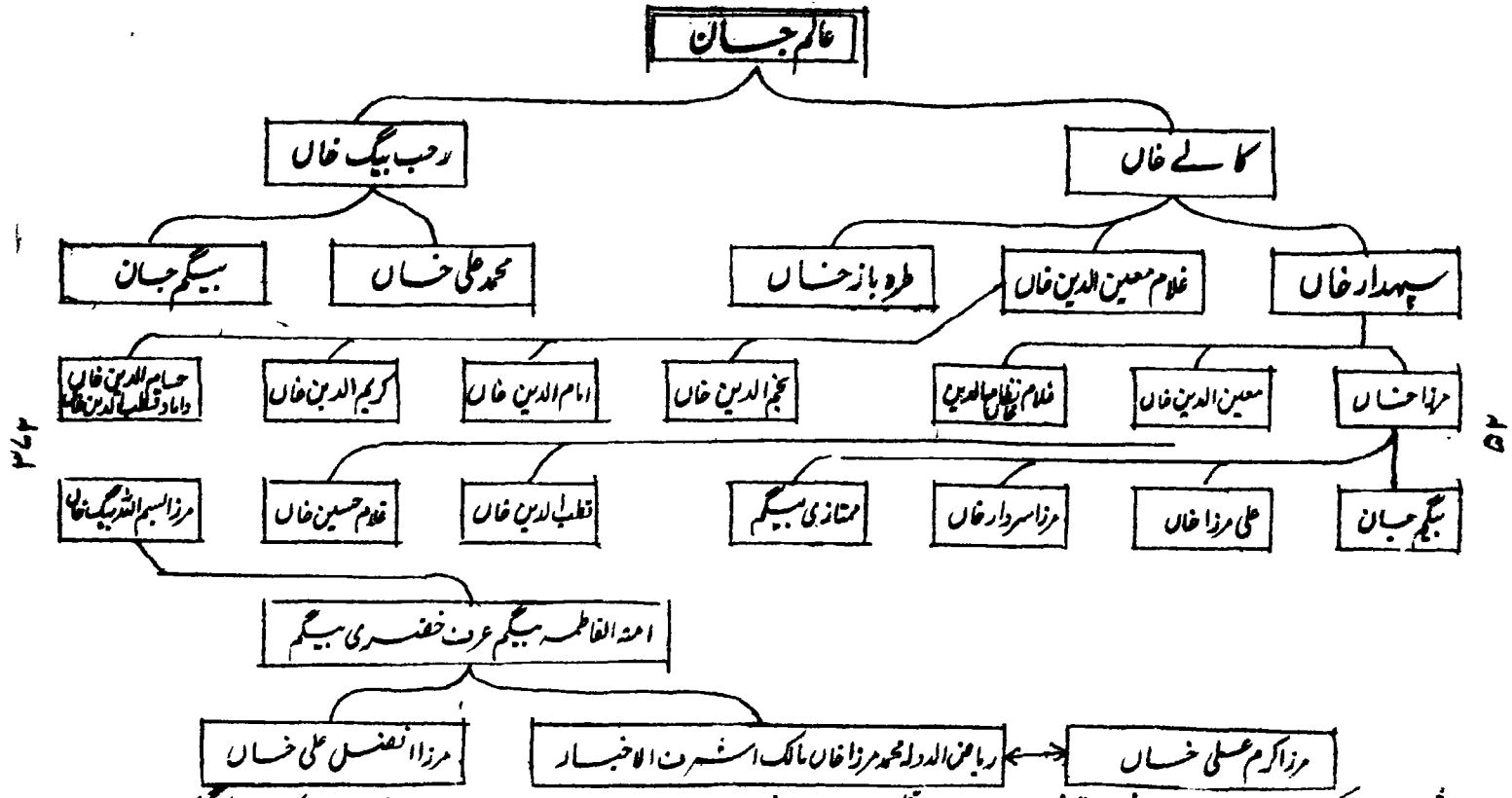

شجرۂ نسب کی تدوین میں "جلوۂ داغ" از جناب حیفسر اور قلمی بیاض مرزا بشیر الدین احمد خاں بن نواب علاؤ الدین احمد خاں سے بھی مدد لی گئی ہے۔

مسٹر مالک رام مصنف "ذکر غالب" کو غالباً اس بارے میں کچھ غلط فہمی ہوئی ہے اور میرا خیال ہے کہ اس غلط فہمی میں مولٰنا مہر بھی مبتلا ہو گئے ہیں جہاں تک میں نے تحقیق کی ہے مرزا اکبر علی خاں بنی بخش خاں کے بیٹے تھے پوتے نہ تھے اور انھوں نے ایک انگریز جنرل ڈیوڈ اختر لونی کی لڑکی سے نکاح کیا تھا۔ حسن جہاں بیگم جس کو غالب نے نواب احمد بخش خاں کے بھائی کی پوتی لکھا ہے مرزا اکبر علی خاں کی بیٹی مبارک بیگم کے بطن سے تھی مبارک بیگم جنرل اختر لونی کی داشتہ تھی (مبارک بیگم کی بنوائی ہوئی لال مسجد دہلی میں تھا۔ جو حسن قاضی کے پاس موجود ہے) مرزا غالب نے حسن جہاں بیگم اکبر علی خاں کی بیٹی کا نام لکھا ہے بیوی کا نہیں۔ لہٰذا مالک رام ایم اے اور مرزا غالب کے بیانات متضاد نہیں معلوم ہوتے۔ (راز واقعات دار الحکومت دہلی جلد دوم ص ۳۲۹)

مرزا محمد علی خاں کی ایک لڑکی بستی بیگم (عرف نواب دلہن) تھیں۔ جو مرزا زین العابدین عارف کی دوسری زوجہ تھیں۔

نواب احمد بخش خاں | عارف جان کے دوسرے صاحبزادے نواب احمد بخش خاں نہایت اچھے جرنیل تھے۔ چند سال مرہٹوں کی خدمت کرنے کے بعد راؤ راجہ بختاور سنگھ والی الور سے اپنی عقیدت ظاہر کی جنھوں نے ان کو بطور معتمد لارڈ لیک کے پاس بھیجا یہ کمانڈر انچیف کے ساتھ بہت سی مہموں میں رہے سر ولیم فریزر ریذیڈنٹ دہلی کے ساتھ ان کے دوستانہ مراسم تھے ان کی عام خدمات اور خصوصاً اس کارگزاری کے باعث جو انھوں نے اس عہدنامے کے بارے میں کی تھی جو گورنمنٹ انگریزی اور راجہ الور کے ساتھ ہوا ان کو ضلع گوڑگانوہ کے چھ محال فیروز پور جھرکہ، پونا ہانا، سانکرہ، بچھور، نگینہ، اور لوہارو بطور دوام جاگیر میں ملے اس جاگیر کو جس کی آمدنی تین لاکھ روپیہ سالانہ تھی گورنمنٹ ہند نے باضابطہ

منظور کرلیا اور نواب احمد بخش خاں کو فخر الدولہ دلاور الملک رستم جنگ کا خطاب عطا فرمایا۔ نواب موصوف نے ۱۲۴۳ھ میں فیروز پور جھرکا میں جو مسجد بنوائی تھی وہ اب بھی موجود ہے اس مسجد کے حوض کی مکرر تعمیر ۱۳۶۶ھ میں آخری نواب لوہارو امین الدین احمد خاں ثانی کے اہتمام سے ہوئی اس کا قطعہ تاریخ راقم الحروف واصف نے کہا :۔

قطعہ تاریخ تعمیر حوض جامع مسجد جھرکا

امین الدین احمد خان ثانی — ہے از آل احمد بخش خانی
رئیس و حکم زمائے لہارو — ملاذ خلق و ملجائے امانی
امیر خوش گہر فرخ نژادے — اعز عصر و فخر دودمانی
بہ ایمالیش شد این حوض مصفیٰ — خجستہ یادگار جاودانی
منور با صفائے آب پاکش — ز سطحش تا فضائے آسمانی
بہ صحن مسجد این حوض مطہر — چو از تسنیم جام اقحوانی
بہ واصف دہلوی تلمیذ سائل — رسیدہ فال یمن و شادمانی

ہزار و سہ صد و شصت آمد شش
ز ہجرت با بہ نظم این معانی

خواصوں کے علاوہ نواب احمد بخش خاں کی دو بیگمیں تھیں ایک میراثی الاصل جن کا نام مدی خانم عرف بہو بیگم تھا اس کے بطن سے بڑے صاحبزادے نواب شمس الدین احمد خاں اور دوسرے صاحبزادے ابراہیم علی خاں (المتوفی ۱۲۳۲ھ) اور ایک بیٹی نواب بیگم تھیں (جو زین العابدین عارف کو منسوب تھیں) اور دوسری بیگم ان کے اپنے خاندان کی تھی اس کا نام بیگم جان تھا (یہ غالباً نواب احمد بخش خاں کی چچا زاد بہن تھی) ان کے بطن سے نواب امین الدین

۱؎ تاریخ روسائے پنجاب ص ۱۱۹

اور نواب ضیاء الدین احمد خاں تھے۔

نواب نے ۱۸۲۲ء میں بڑے صاحبزادے نواب شمس الدین احمد خاں کو اپنا جانشین قرار دیا۔ چونکہ وہ میوانی بیگم کے بطن سے تھے اس لئے خاندان کے دوسرے افراد جن میں غالب بھی شامل تھے انھیں نسباً اپنا ہم پایہ نہیں گردانتے تھے اس وجہ سے خاندان میں کشیدگی پیدا ہو گئی۔ شمس الدین احمد خاں ایک طرف تھے اور باقی سارا خاندان دوسری طرف تھا۔

معاملے کی نزاکت کو محسوس کر کے نواب احمد بخش خاں نے ۱۸۲۶ء میں فیروز پور جھرکہ کی مسند شمس الدین احمد خاں کو دے کر لوہارو سے دست برداری کا اقرار نامہ لکھوالیا اور لوہارو کی جاگیر امین الدین احمد خاں اور ضیاء الدین احمد خاں کو سونپ کر اپنی خاندانی حویلی (واقع مہرولی) میں گوشہ نشین ہو گئے اکتوبر ۱۸۲۶ء (۱۲۴۳ھ) میں وفات پائی اور اپنے پیر مرشد مولانا فخر الدین اورنگ آبادی کے مزار کے پاس دفن ہوئے۔

نواب شمس الدین احمد خاں | نواب کے انتقال کے بعد تینوں صاحبزادوں میں کافی کشمکش اور رسہ کشی رہی۔ شمس الدین احمد خاں نے دعویٰ دائر کیا کہ لوہارو کی مسند بھی مجھے ملنی چاہئے اور دونوں بھائیوں کی پنشنیں ہونی چاہئیں۔ آخر کار دونوں جاگیروں کا فیصلہ نواب شمس الدین کے حق میں ہو گیا۔ ۱۸۳۲ء میں ولیم فریزر دہلی کے ایجنٹ مقرر ہو کر آئے یہ نواب احمد بخش خاں کے خاص بے تکلف دوست تھے انھوں نے یہ تجویز کی کہ نواب مرحوم کی تقسیم کے مطابق لوہارو دونوں چھوٹے صاحبزادوں کو ملنا چاہئے (اس زمانے میں ایسٹ انڈین کمپنی کا ہیڈ کوارٹر کلکتہ تھا) ولیم فریزر کے مشورے اور تجویز کے مطابق امین الدین احمد خاں نے کلکتہ جا کر قانونی چارہ جوئی کی اور شمس الدین احمد خاں کے خلاف

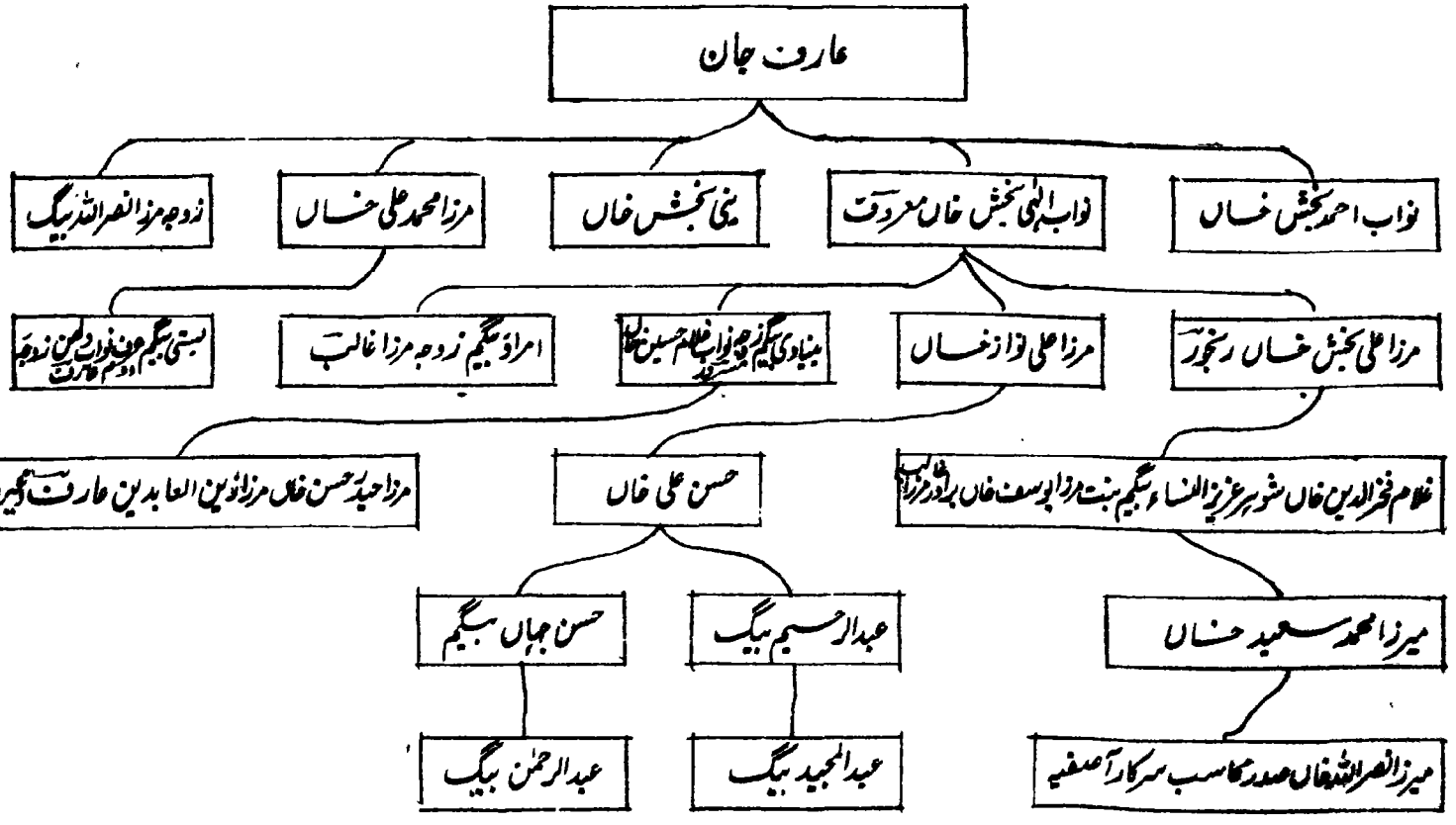

عارف جان
نواب احمد بخش خاں
نواب الٰہی بخش خاں معروف
نبی بخش خاں
مرزا محمد علی خاں
زوجہ مرزا نصر اللہ بیگ
مرزا علی بخش خاں رنجور
مرزا علی نواز خاں
بنیادی بیگم زوجہ نواب غلام حسین خاں
امراؤ بیگم زوجہ مرزا غالب
بستی بیگم عرف نواب دلہن زوجہ
غلام فخر الدین خاں شوہر عزیز النساء بیگم بنت مرزا یوسف خاں برادر مرزا غالب
حسن علی خاں
مرزا حیدر حسن خاں مرزا زین العابدین عارف نبیرہ
میرزا محمد سعید خاں
عبدالرحیم بیگ
حسن جہاں بیگم
میرزا نصر اللہ خاں صدر محاسب سرکار آصفیہ
عبدالمجید بیگ
عبدالرحمٰن بیگ

فیصلہ ہوگیا۔ اس فیصلے کے بعد ولیم فریزر کو ۱۸۳۵ء میں کسی شخص نے قتل کر دیا۔ تفتیش شروع ہوئی قاتل کے ساتھی کے بیان سے نواب شمس الدین احمد خاں پر تحریص قتل کا الزام ثابت ہوگیا اور بڑی زبردست احتیاطی تدابیر اختیار کرنے کے بعد کشمیری دروازہ دہلی کے باہر نوسو فوجیوں کے پہرے میں اس بہادر رئیس کو پھانسی دیدی گئی[1]۔ یہ واقعہ تمام مورخین کے متفقہ بیان کے مطابق ۱۲۵۲ھ میں ہوا[2]۔ نواب شمس الدین احمد خاں قدم شریف میں مدفون ہیں۔ ان کا مدفن اس چبوترے کے پائین ہے جس پر نواب ابراہیم علی خاں والی پاٹودی کا مزار ہے یعنی قدم شریف میں داخل ہونے کا جو دروازہ ہے اس دروازہ کے بالکل مقابل چبوترے کے نیچے سنگ مرمر کے تعویذ والی قبر انھیں کی ہے اور دوسری قبر برابر میں نواب شہاب الدین احمد ثاقب یعنی سائل صاحب کے والد کی ہے۔ نواب موصوف کی دو لڑکیاں تھیں احمد النساء بیگم محمد النساء بیگم (یا شمس النساء بیگم) فیروزپور جھرکہ کی ریاست ضبط ہوگئی۔

جب نواب کو پھانسی دی گئی اس وقت داغ کی عمر ۶ سال سے کم تھی ان کی والدہ نے نواب شمس الدین احمد خاں کے پھانسی پا جانے کے بعد حضور صاحب عالم مرزا محمد سلطان فتح الملک بہادر ولی عہد بہادر شاہ کے دامن عاطفت میں پناہ لی اور اپنی زندگی کا بہت بڑا حصہ محل شاہی میں گذارا اور نواب شوکت محل بیگم خطاب پایا[3]۔ ولی عہد مرزا فتح الملک عرف مرزا فخرو کی پہلی شادی مرزا الٰہی بخش بن مرزا بچو کی صاحبزادی سے ہوئی تھی۔ مرزا الٰہی بخش

---

[1] غالب از مہر میں خاندان لوہارو کے مناقشات تفصیل کے ساتھ مذکور ہیں۔ [2] بعض لوگ ولیم فریزر کے قتل کی وجہ یہ بیان کرتے ہیں کہ فریزر صاحب نواب صاحب کے رشتے کی کسی بیگم سے ناجائز تعلقات رکھتے تھے اس بنا پر نواب نے فریزر صاحب کو قتل کرایا (واقعات دارالحکومت دہلی حصہ دوم صفحہ ۴۹۲) [3] جلوۂ داغ

المتوفی ۱۸۵۲ء کی والدہ عمدۃ الزمانی بیگم بنت عالمگیر ثانی تھیں۔ یہ مرزا الٰہی بخش وہی ذات شریف ہیں جو نواب زینت محل کے ہاں کافی رسائی رکھتے تھے اور جنہوں نے شاہ دہلی کو نہایت آسانی کے ساتھ گرفتار کرا دیا تھا۔ شہر اور اندرون لال قلعہ کی ضروری خبریں سرکار انگریزی تک پہنچایا کرتے تھے۔ ۱۸۵۷ء کا ہنگامہ فرو ہونے کے بعد ان کے اس قابل قدر اور تاریخی کارنامے کے صلے میں سرکار انگریزی کی طرف سے ان کے اور ان کے خاندان کے لئے ۲۲۸۳۰ روپیہ سالانہ کی پنشن نسلاً بعد نسل یکم مئی ۱۸۵۸ء سے عطا کی گئی اس کے علاوہ بہت کافی انعامات و اکرامات سے نوازا گیا۔ مولانا ابوالکلام آزاد فرماتے ہیں " سانڈرس" نے ان کی طرف ان لفظوں میں اشارہ کیا ہے کہ " فاتحوں کی خوشنودی کے لئے اگر ضرورت ہو تو وہ اپنے باپ کو بھی پکڑوا دے' ... ہنگامہ فرو ہونے کے بعد گورنمنٹ چاہتی تھی کہ قلعہ کے خاندان کا کوئی نام و نشان باقی نہ رہے اس لئے الٰہی بخش جیسے خاندان فروش کو بھی دہلی میں دیکھنا نہیں چاہتی تھی بہرحال کچھ دنوں کی نارضائی کے بعد انھیں قیام کی اجازت مل گئی اور خاندان شاہی کے ہیڈ قرار پائے عید کے دن انھوں نے چاہا تھا کہ چار گھوڑوں کی گاڑی میں بیٹھ کر عید گاہ جائیں ڈپٹی کمشنر کو معلوم ہوا تو چوبدار بھیجکر ممانعت کر دی کہ یہ امتیاز قلعہ کے شہزادوں کو حاصل تھا اب وہ زمانہ گیا"
فبعداً للقوم الظالمین" (غالب از مہر ص ۲۹۱)

فاعتبروا یا اولی الابصار۔ نواب شمس الدین احمد خاں کی بڑی صاحبزادی محمد النساء بیگم نواب سعادت علی خاں کو منسوب ہوئیں جو نواب عبدالرحمٰن خاں والی جھجر کے چچا تھے ان کی دو لڑکیاں سکندر جہاں اور اکبری بیگم اور ایک لڑکے نواب قاسم علی خاں مرحوم تھے۔ سکندر جہاں جناب سائل مرحوم کی والدہ ہیں اور اکبری بیگم نواب مختار حسین خاں والی پاٹودی کی زوجہ ہیں نواب قاسم علی خاں کی دو اولادیں ہیں نواب عباس علی خاں اور نواب سردار جہاں بیگم زوجہ نواب ممتاز حسین خاں مرحوم والی پاٹودی۔ نواب شمس الدین خاں کی دوسری صاحبزادی احمد النساء بیگم

لہ تاریخ رؤسائے با اختیار و نامی خاندان پنجاب ص ۱۰۹

(باقی آئندہ)